

اسلامی ممالک میں آئینی ڈھانچہ: ترکی، مصر اور تیونس کا تقابلی جائزہ

ارگن اوزبڈن (Ergun ÖZBUDUN)

استنبول سحر یونیورسٹی

تعارف: آئین، دستوریت، جمہوریت، اور آزاد خیالی

جب ہم آئینی ڈھانچہ کے بارے میں بات کرتے ہیں، ہو سکتا ہے ہم ان دونوں طریقوں کا حوالہ دے رہے ہوں جس میں آئین اور اس کے اجزاء بنائے جاتے ہیں۔ اس مطالعہ میں، میں تین مسلم اکثریتی ممالک (ترکی، مصر اور تیونس) کے آئینی تجربات پر دونوں معانی کی اصطلاح کے لحاظ سے توجہ مرکوز کرنا چاہوں گا۔ تاہم اس کار خیر میں آگے بڑھنے پہلے بنیادی اصطلاحات کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ -

یہ بذات خود عیاں ہے کہ آئین پسندی کا ایک آئین کے وجود کی طرف سے باآسانی تسویہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے دور میں، دنیا کے تقریباً تمام ممالک، انتہائی منظم نظام ادارہ آزاد جمہوریتوں سے لے کر اجتماعی نظام حکومت تک، اور ان کے مابین بہت سے دیگر ممالک، تحریری آئین رکھتے ہیں، جسے وہ ملک کا اعلیٰ ترین قانون قرار دیتے ہیں۔ دوسری جانب آئین پسندی کا لازمی طور پر مطلب محدود حکومت ہے، ایک ایسا نظام جس میں ریاست کی طاقت کو انفرادی حقوق اور آزادیوں کے لئے ایک مضبوط تحفظ کا متحمل ہونے کے حتمی مقصد کے ساتھ، اختیارات کی علیحدگی اور قدغنی توازن اقتدار کے دیگر موثر طریق کار کی طرف سے تقسیم اور محدود کیا جاتا ہے۔ آئین پسندی کے یہ معنی انقلاب فرانس کے "انسان اور شہری کے حقوق کے اعلامیہ" 1789 کے آرٹیکل 16 میں پرزور انداز میں بیان کیے گئے تھے: "کوئی بھی معاشرہ جہاں حقوق محفوظ نہ ہوں اور نہ ہی اختیارات کی علیحدگی قائم ہو، اس کا قطعی کوئی آئین نہیں ہوتا ہے۔" اسی طرح کا اعلامیہ اپنے آرٹیکل 6 میں جمہوری عنصر کا اضافہ بھی کر دیتا ہے: "قانون عمومی ارادہ کا اظہار ہے۔ تمام شہریوں کو اس کے بنانے میں ذاتی طور پر یا اپنے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔" اس طرح، جیسے سوار ایک صحیح مشاہدہ کرتا ہے "اختیارات کی علیحدگی، انفرادی حقوق کے عدالتی تحفظ کے ساتھ مل کر، آئین پسندی کی میٹرکس" تشکیل دیتی ہے۔ وہ دونوں ہی ناقابل علیحدگی ہیں اور ایک آئینی نظام کے کامیاب ہونے کے لئے ناگزیر ہیں جو ہم عصر بین الاقوامی قانون کے معیار کے مطابق ہیں" (1)۔

آج کے دور میں تقریباً تمام اسلامی ممالک کا، واحد ایک سعودی عرب کے علاوہ، تحریری آئین ہے۔ ان میں سے بہت کم، تاہم، آئین پسندی کے معیار پر پورا اترتے ہیں، یا وہ جس طریقے سے بنائے جاتے ہیں، یا اپنے خلاصہ کے معاملے میں۔ جیسا کہ ناتھن براؤن مشاہدہ کرتا ہے کہ، عرب ممالک میں "آئین عام طور پر سیاسی اختیارات کو بڑھانے کے لئے مرتب کیا گیا ہے؛ آزاد آئین پسندی (سیاسی اتھارٹی کا قابو میں رکھنے کا مقصد) عام طور پر ایک ثانوی مقصد رہا ہے" (2)۔ اس طرح وہ مزید دلیل دیتا ہے کہ عرب کے آئین کا ریاست کی اتھارٹی کو محدود کرنے کا مقصد نہیں تھا، لیکن انہیں "ریاست کے سیاسی اختیارات کو حوالے کرنے کے لئے زیادہ مؤثر اور دوسرا ریاستی خودمختاری کو ابھارنے کے لئے اور عام نظریاتی سمت بندی کو قائم کرنے کے لئے بنیادی طور پر مرتب کیا گیا ہے" (3)۔

نیونس کے نئے آئین کی ممکنہ استثناء کے ساتھ، ہمارے تینوں ممالک کے آئینی تجربات کی جانب سے ان مشاہدات کی تائید کی جاتی ہے، جیسا کہ ذیل میں بحث کی جائے گی۔ براؤن کی دلیل کا ایک زیادہ قابل بحث حصہ یہ ہے کہ اس کے خیال میں کوئی آزاد خیال اور/یا جمہوری عناصر کے آئین پسندی کے کھوکھلے ہونے کا قیاس کر سکتا ہے۔ اسی طرح سے وہ دلیل دیتا ہے کہ "آئین ہمیشہ آئین پسند نہیں ہیں؛ آئین پسندی جمہوریت نہیں ہے؛ آزاد خیال آئین پسندی، آئین پسندی کی واحد شکل نہیں ہے۔ آئین پسندی، جمہوریت اور آزاد خیالی کا منصفانہ امتزاج حالیہ مغربی تجربے پر مبنی ہے۔ جبکہ ایسا دھندلا پن ناقابل سمجھ ہے، جب ہم اپنی تاریخ یا دیگر معاشروں کی سیاست کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ غیر تسلی بخش طریقے سے ہماری رہنمائی کرتا ہے... اس طرح کوئی ضروری شرائط نہیں ہیں کہ آئین یا آئین پسندی جمہوری ہو، کوئی ایسی شرائط نہیں ہیں کہ انہیں بنیادی انفرادی حقوق فراہم کریں" (4)۔

اس طرح کا نقطہ نظر محض خود مختار ریاست کے ڈھانچے کے وجود کے لئے آئین پسندی کو کم کر دیتا ہے جیسا کہ عدالتی جائزہ، جو کہ افقی احتساب کا ایک طریقہ متعارف کراتا ہے اور ریاست کی اتھارٹی کے استعمال پر حدود فراہم کرنا۔ بلا شبہ، تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ایک طویل دور تھا جب آئین پسندی اور جمہوریت یکساں طور پر موجود نہیں تھے۔ بیشتر مغربی آئین محدود حق رائے دہی کے ایک وقت میں اپنائے گئے تھے۔ عالمگیر حق رائے دہی کو صرف انیسویں صدی کے دوسرے نصف اور بیسویں صدی کی پہلی دہائیوں میں بتدریج قائم کیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے، آئین پسندی جمہوریت سے پہلے وجود میں آئی۔ مزید برآں، آئین پسندی کا اصل مقصد، انفرادی حقوق اور خاص طور پر جائیداد کے حقوق کی حفاظت کے لئے اکثریت کی حکمرانی پر حدود عائد کرنا تھا۔ کیس سنسٹین کے الفاظ میں، "آئین اکثریت کی حکومتی صلاحیت پر پابندیوں کے طور پر کام کرتے ہیں؛ جنہیں قدرتی طور پر غیر جمہوری طور پر اپنا لیا جاتا ہے۔" (5)۔ (سنسٹین، 327)۔ اسی طرح، اسٹیفن ہومز آئین پسندی اور جمہوریت کے درمیان کشیدگی کو "جمہوریت کے حامی جو آئین کو امر باعث تکلیف سمجھتے ہیں اور آئین پسند جو جمہوریت کا ادراک بطور ایک خطرہ کرتے ہیں، کے درمیان جھگڑا کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ بعض نظریہ کار پریشان ہیں کہ جمہوریت کو آئین کی سخت پابندیوں/جکڑبندیوں سے مفلوج کر دیا جائے گا۔ دوسرے مبتلا اندیشہ ہیں کہ آئینی بند میں جمہوری سیلاب کی طرف سے شگاف ڈالا جائے گا۔ اپنے اختلافات کے باوجود، دونوں اطراف متفق ہیں کہ آئین پسندی اور جمہوریت کے درمیان تقریباً ناقابلِ مصلحت کشیدگی، کی ایک گہرائی موجود ہے۔ بیشک، وہ یہ تجویز دیتے ہوئے قریب آتے ہیں کہ "آئینی جمہوریت" مخالفین کی ایک شادی ہے، اجتماعِ ضدین" (6)۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابتدائی آئین حقوق کی فراہمی ، یا مسودہ حقوق کی وسیع فہرستوں پر مشتمل نہیں تھے۔ یہاں تک کہ جب آئین بنایا گیا، تو اس کی وضاحت کرنے اور ان کے دائرہ کار کو محدود کرنے کے لئے مقننہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اس لحاظ سے، یہ بحث/ثابت کیا سکتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں آزاد خیال آئین نہیں تھے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ، یہ واضح ہے کہ جدید (پہلے کے مخالف) آئین پسندی جمہوری اور آزاد خیال دونوں اقدار کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہے۔ ایک آئین جو ان ضروریات خواہشات کی حمایت نہیں کرتا اسے ایک حقیقی آئین پسند حکومت کے قائم ہونے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا، چاہے یہ ریاست کی طاقت کو محدود کرنے کے لئے بعض قدغنی توازن اقتدار متعارف کراتا ہے۔ اس پر ذیل میں زیادہ تفصیل سے بحث کی جائے گی کہ آیا جن تین ممالک کے بارے میں بات کی جارہی ہے یا اسلامی ممالک بالعموم اس قابل ہیں کہ ایسی آئین پسند حکومتوں کے حاصل کرنے کے قابل ہیں جو جمہوری اور آزاد خیال ہیں۔ یہ سوال اس سوال سے قریب قریب متعلقہ ہے کہ آیا "اسلامی آئین پسندی"، مغرب سے یکسر مختلف ہے، کیا یہ ممکن ہے۔

آخر میں، ہمارے تینوں کیسز کے انتخاب کے بارے میں چند الفاظ۔ ان ممالک کی طرز حکومت میں اہم اختلافات کے باوجود، ترکی، مصر اور تیونس آئین سازی کے تجربات کے بارے میں بعض مماثلت رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے، وہ اسلامی دنیا میں (بشمول 1906-1907 کے ایرانی آئین) آئین سازی کی پہلی کوششیں کرنے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ تیونس 1861 میں اپنے "تیونس کی ریاست کا قانون" (قانون ال-دالا ال-تیونیسیا) کے ساتھ تینوں میں سب سے پہلے نمبر پر تھا۔ دستاویز ہے (تیونس کے موروثی گورنر) کی طرف سے شائع کی گئی ہے ایک منتخب پارلیمنٹ تشکیل نہیں دی، لیکن ایک گرینڈ کونسل قائم کی؛ اس کے ایک تہائی اراکین "وزراء اور حکام پر مشتمل تھے، دیگر شہرت یافتہ اشخاص کو ابتدائی طور پر بادشاہ کی طرف سے اپنے وزراء کی منظوری سے منتخب کیا گیا تھا۔ گرینڈ کونسل کے نئے اراکین کو کونسل کی طرف سے بنائی گئی ایک فہرست میں سے بادشاہ کی منظوری کے ساتھ منتخب کیا گیا تھے... کونسل کو عام طور پر عوام کے حقوق کی حفاظت اور ان کے درمیان مساوات کے اہتمام کا ذمہ دیا گیا تھا، مزید برآں، تمام قوانین اور اخراجات میں تبدیلیوں کے لئے اس کی رضامندی درکار تھی" (7)۔ تیونس کا آئین صرف تین سال کے لئے نافذ العمل رہا؛ یہ 1864 میں بے کی طرف سے منسوخ کر دیا گیا تھا (8)۔

1876 کا آئین عثمانیہ (قانون-او اساسی) سلطان عبدالحمید دوئم کی طرف سے، مصلحین بیوروکریٹس کے ایک چھوٹے گروپ کے دباؤ کے تحت قائم مقام نافذ کیا گیا تھا۔ یہ ایک نمائندہ دستور ساز اسمبلی کی طرف سے نہیں، بلکہ سلطان کی طرف سے تعینات کیا گیا، اس کو 16 عام شہری بیوروکریٹس، فوج کے دو اراکین، اور 10 مذہبی علماء پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی کی طرف سے تیار کیا گیا تھا۔ سلطان کی طرف سے فراہم کردہ حتمی مسودہ پہلی مرتبہ لاگو کیا گیا تھا، کچھ آئینی طریقہ کار سلطان کی مطلق طاقتوں کی جانچ کرنے کے لئے تھے۔ اس کا سب سے اہم نیاپن، اور 1861 کے تیونس کے آئین کے ساتھ اس کے سربراہ کا فرق، آخر کار لوگوں کی طرف سے جزوی طور پر منتخب شدہ ایک قانون ساز اسمبلی کی تخلیق تھا۔ عثمانیہ مقننہ، "جنرل اسمبلی" (میکلس-عمومی) کہلایا جو دونوں ایوانوں پر مشتمل تھا: سینیٹ (حیات عیان) اور ڈپٹی کے چیئرمین (حیات میونس)۔ سینیٹ کے ارکان کو سلطان کی طرف سے تاحیات تعینات کیا جانا تھا، جبکہ نائبین کو لوگوں کی طرف سے بلاواسطہ (دو مراحل) انتخابات کے ذریعے منتخب کیا جانا تھا جس میں صرف جائیداد کے مالکان کو ووٹ ڈالنے کی اجازت دی گئی تھی۔ جنرل اسمبلی کو قوانین نافذ کرنے اور ایگزیکٹو پر کنٹرول کا استعمال کرنے کے لئے بعض اختیارات دیئے گئے تھے۔ دونوں اکاؤنٹس/شعبوں پر، تاہم، حتمی اختیار اب بھی سلطان کے ساتھ منسلک تھا، کہ اس طرح آئینی نظام کی بنیاد بنی رہے۔ دوسری جانب، سلطان یک طرفہ طور پر قوانین نافذ یا آئین میں ترمیم نہیں کر سکا تھا۔ اس طرح، توازن کے کچھ درجے دو سیاسی اجزاء کے درمیان قائم کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ، آئین نے عدلیہ کی آزادی کو تسلیم کیا تھا اور تاہم، ان کے لئے موثر ضمانت فراہم کئے بغیر، بنیادی حقوق اور آزادیوں کی ایک بڑی تعداد کا شمار کیا گیا۔⁽⁹⁾

1876 کا آئین ایک پارلیمانی بادشاہت کے قیام سے مقصد میں ناکام ہو گیا۔ اس کے باوجود، یہاں تک کہ آئینی حکومت میں اس محدود تجربہ سے عبدالحمید دوئم کے لئے بہت کچھ ثابت ہوا، جس نے 1878 میں ڈپٹی کے چیئرمین کو ملتوی کر دیا اور تیس سال کے لئے مُطلقانہ حکومت واپس آ گئی۔ 1908ء میں، کچھ فوجی یونٹوں کی بغاوت نے آئین کو بحال کرنے پر مجبور کر دیا۔ آئین پسند حزب اختلاف نے یونین کی سوسائٹی کے نام کے تحت اہتمام کیا اور پیش رفت (نوجوان ترک) نے 1908 کے انتخابات میں چیئرمین میں واضح اکثریت حاصل کی۔ یہ وہ پارلیمنٹ تھی جس نے 1909 میں آئین میں یکسر ترامیم کیں۔ ترامیم میں پارلیمنٹ کے اختیارات میں کافی حد تک

توسیع کی گئی اور سلطان کے ان اختیارات کو محدود کیا۔ اس طرح، ایک آئینی نظام وجود میں آیا، مغربی یورپ کی پارلیمانی بادشاہتوں سے کم و بیش متشابہ۔ تاہم، یہ آزاد دور، "دوسرا آئین پسند دور"، کہلایا جو زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا اور فوری طور پر غالب یونین اور پیش رفت جماعت کی اصل آمریت میں تبدیل کر دیا گیا۔

آئینی حکومت کے ساتھ مصر کا پہلا تجربہ 1882 کا آئین تھا (جو بنیادی آرڈیننس، یا اللائحہ الاساسیہ قرار دیا گیا)۔ اس نے کونسل کو (ایک منتخب ادارہ) "قانون سازی میں اور عوامی مالیات پر احتیاط سے نگرانی میں ایک وسیع کردار دیا... 1882 کے مصر کے آئین نے 1861 کے تیونسی آئین یا 1876 کی عثمانیہ آئین کی نسبت آئین پسندی کے لئے ایک بہتر بنیاد فراہم کی ہے... پھر جلد ہی اس فتح حاصل کو محفوظ کر لینے کے بعد پارلیمنٹ، دوبارہ کبھی نہ بلانے کے لئے توقف میں چلی گئی" (10)۔

آئین سازی کی ان تمام ابتدائی ترین کوششوں میں، اور بہت سی مابعد کوششوں میں بھی، بنیادی مقصد بنیادی حقوق کے تحفظ اور انفرادی آزادیوں کے مقصد کے ساتھ ایک سچے آئین کے قیام سے دور تھا۔ ناتھن براؤن کے الفاظ میں،

"... سیاسی حالات میں ایک غیر معمولی مماثلت آئین تحریر کرنے میں ان کی کوششوں کا محاصرہ کرتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بنیادی مقصد اسے زیادہ مؤثر بنانے کی کوشش میں ریاستی حکام کی اصلاح کرنا تھا۔ سب سے پہلے، تقریباً تمام آئین، مالی بحران کی مدت کے دوران جاری کئے گئے اور بجٹ کے تعین کا واضح طریقہ کار قائم کرنے کے لئے بہت سی زبانوں کو وقف کیا گیا... مالی غیر ذمہ داری کے لئے مطلق العنانی کی اجازت تھی؛ مالی معاملات کے لئے واضح قانونی طریقہ کار ایک بہتر بنیاد پر ریاست چلانے کے لئے مدد کر سکتے تھے" (11)۔

ہمارے تین ابتدائی ترین معاملات میں ایک دوسری مماثلت، یہ ہے کہ وہ سب "بہت حد تک حکومتی شرفا کے مابین وجود میں آئے۔ انہیں سیاسی برادری کی نوعیت کی وضاحت کرنے کی کوشش میں دستور ساز اسمبلیوں کی طرف سے مرتب نہیں کیا گیا بلکہ افراد یا سیاستدانوں کے چھوٹے گروپ کی طرف سے، جنہوں نے عام طور پر بہت سے اعلیٰ عہدوں پر قبضہ جمایا... یہ کہ، حکمران یا حکومتی شرفا نے آئینی دستاویز سے قانونی حیثیت کشید کرنے کی بجائے قانونی حیثیت عطا کی" (12)۔ اس طرح، 1861 کا تیونس کا آئین، 1882 کے مصری آئین، اور 1876 کے آئین عثمانیہ کی طرح ہی، بے کی طرف سے تعینات حکام کے ایک کمیشن کی طرف سے تیار کیا گیا تھا۔ مابعد ترکی کے آئین، 1921 کے آئین کے جزوی استثنیٰ کے ساتھ، یہ حکومتی ایلیٹ کے اندر بھی بہت زیادہ پیدا ہوا۔ اس طرح، 1924 کا آئین، ترکی کا پہلا جمہوریت پسند آئین، کو مکمل طور پر لوگوں کی جماعت کے زیر تسلط عموماً منتخب اسمبلی کی طرف سے منظور کر لیا گیا (ایک جماعت جسے 1923 کے انتخابات سے کچھ عرصہ قبل ہی مصطفیٰ کمال کی طرف سے قائم کیا گیا تھا)۔ شروع میں اصل واحد جماعت کی حکومت کو اس وقت تک مستحکم نہیں کیا گیا تھا، آئین پر بحث ایک آزاد ماحول میں ہوئی، اور جمہوریہ کے صدر (مصطفیٰ کمال 1923 میں صدر کے طور پر منتخب ہوئے) کی حیثیت کو مستحکم بنانے کے لئے تیار کی گئی کچھ تجاویز کو اسمبلی کی طرف سے ثابت قدمی سے مسترد کر دیا گیا تھا¹³۔ اس کے بعد ایک مختصر وقت تک، تاہم، ایک واحد جماعت کی حکومت کو ثابت قدمی سے قائم کیا گیا تھا اور 1946-1950 میں ایک کثیر الجماعتی نظام کی منتقلی تک چلا۔ ترکی کے دو مزید حالیہ آئین، 1961 اور 1982 کے آئین، بنیادی طور پر فوجی مداخلت کی مصنوعات تھے۔ جسے نہ تو آزادانہ طور پر منتخب کرنے سے اور نہ ہی پوری طرح آئین ساز اور قانون ساز اسمبلی کے نمائندوں کی طرف سے تیار کیا گیا تھا۔ دونوں صورتوں میں، حکمران فوجی کمیٹی نے دو ایوانی آئین ساز اسمبلی کے چیئرمین میں سے ایک کو تشکیل کیا۔ 1961 آئین کے کیس میں، اسمبلی کا غیر فوجی ونگ (ایوان نمائندگان) بڑی حد تک انتخاب شریک ادارہ تھا؛ آخرالذکر صورت میں، مشاورتی اسمبلی کو مکمل طور پر حکمران فوجی کونسل کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا (قومی سیکورٹی کونسل)¹⁴۔ ترکی کی کل سویلین اور جمہوری آئین کے لئے تلاش اس کے بعد سے جاری رہی ہے۔

ایک تیسری مماثلت یہ ہے کہ تینوں کیسز میں، آئین یا تو مختصر عرصہ رہے تھے یا دوسری صورت میں آمرانہ حکومتوں کے لئے دکھاوے کے طور پر اسے برقرار رکھا گیا تھا۔ اس طرح، سب سے پہلے عثمانی تجربہ (پہلا آئین پسند دور) ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ اور دوسری کوشش (دوسرا آئین پسند دور، 1908-1912) صرف چار سال چلا۔ 1921 کا آئین تین سال تک نافذ العمل رہا۔ 1924 کا آئین تقریباً بیس سال (1925-1946) تک ایک آمرانہ حکمرانی کے ایک دکھاوے کے طور پر کام کرتا رہا، اور 1960 کی فوجی بغاوت کے ساتھ ہی اس کا انہدام سامنے آیا۔ کم یا زیادہ جمہوری سیاسی زندگی میں دوبارہ 1971-1973 کی جزوی طور پر فوجی مداخلت کی طرف سے رکاوٹ ڈالی گئی تھی، جو 1980 کی بغاوت کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اسی طرح، 1861 کا تیونس کا آئین صرف تین سال کے لئے نافذ العمل رہا۔ 1959 کا جمہوری آئین حبیب بورگیوبا کی نو دستور جماعت کے زیر تسلط ایک آئین ساز اسمبلی کی طرف سے تیار کیا گیا تھا⁽¹⁵⁾، اور 2011 کے عرب بہار انقلاب تک ایک آمرانہ واحد جماعت کی حکومت کے ایک آلہ کے طور پر کام کرتا رہا۔ 1923 کے مصر کے آئین کی اکثریت سے اور واضح طور پر خلاف ورزی کی گئی⁽¹⁶⁾۔ ایک بنیادی طور پر آمرانہ جماعت حکومت کے تحت مصر کا جمہوری آئین (1956، 1958، 1964، اور 1971) میں اسی طرح کام کر رہا تھا⁽¹⁷⁾۔

2011 کے مقبول انقلابات جو کہ عرب کے بہار ممالک بالخصوص تیونس اور مصر میں جانے پہچانے ہیں نمایاں تبدیلیوں کے حامل ہیں۔ دونوں ممالک میں مقبول بغاوتوں کا نتیجہ مبارک اور زین امام العابدین بن علی کی حکومت کے خاتمے کے نتیجے کی صورت میں نکلا۔ دونوں ممالک میں، انقلابات نے ایک بہت چاق و چوبند اور آئین سازی کے انتہائی مقابلہ خیز عمل کی قیادت کی جس کی ذیل میں تفصیل سے جانچ پڑتال کی جائے گی۔ آئین سازی کی ابتدائی مثالوں کے ساتھ فرق یہ ہے کہ اس وقت کارروائی ایک بنیادی طور پر بین الحکومتی شرفا کا معاملہ نہیں تھا، لیکن آبادی کے بہت بڑے طبقات کی شدید شراکت کے ملوث ہونے کا تھا۔ وہی دور ترکی میں نئے آئین کی تشکیل کے لئے دلچسپی کی ایک نئی لہر کا بھی شاہد تھا۔ قومی اسمبلی میں نمائندہ چار جماعتوں نے جو 2011 میں منتخب ہوئیں آئین بنانے کے عمل کو شروع کرنے پر اتفاق کیا۔ اس مقصد کے ساتھ انہوں نے ایک پارلیمانی "آئینی مصالحتی کمیٹی" قائم کی۔ کام کے دو سال کے بعد کمیٹی ایک متن پر اتفاق کرنے میں ناکام ہو گئی، جس کی ذیل میں وضاحت کی جائے گی۔

اسلامی ممالک میں انقسامی آئینی مسائل

تقریباً تمام اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ اہم اور قابل تنقید سوال جس کا آئین ساز سامنا کرتے ہیں ملک کے سیاسی اور قانونی نظام میں اسلام کا کردار ہے۔ چونکہ ان ممالک کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، اس لئے ایک صریحاً سیکولر آئین کا بنایا جانا نایاب ہے۔ ایک حالیہ مطالعہ سے کل چھیالیس مسلم اکثریتی ریاستوں میں سے ایسے بیس ممالک کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے، تیرہ نے واضح طور پر اپنے آئین میں لفظ "سیکولر" کا صریحاً ذکر کیا جبکہ باقی سات کو بھی سیکولر ریاستیں سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا کوئی قانوناً تسلیم شدہ مذہب نہیں ہے۔ ایک گہری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بیس میں سے، چھ سابق سوویت ریاست ہائے متحدہ روس کی ریاستیں (آذربائیجان، قازقستان، کرغستان، تاجکستان، ترکمانستان، اور ازبکستان) ہیں اور دوسرے دو سابق سوویت اتحادی ممالک کی ریاستیں (البانیا اور کوسوو) ہیں۔ آٹھ افریقی ممالک ہیں، سیکولر یورپی اقتدار کی سابق نوآبادیاں۔ مشرق وسطیٰ کے بنیادی مسلم علاقوں میں، صرف ترکی، شام اور لبنان، سیکولر ریاستوں کے طور پر جانے جانے کی اہلیت رکھتے ہوئے، جو بذات خود ایک مخلوط مذہب رکھنے والے ممالک ہیں⁽¹⁸⁾۔

واضح طور پر، ترکی قدیم ترین اور اس قسم کی سب سے زیادہ بنیادی مثال ہے۔ احمد کورو، جو لادینیت کی "جامد" اور "جارحانہ" اقسام کے درمیان، ممتاز جانا جاتا ہے بشمول ترکی آخر الذکر زمرہ ہے۔ ان کے الفاظ میں، "عوامی زندگی سے مذہب خارج کرنے اور دائرہ اقتدار تک محدود کرنے کے لئے جارحانہ لادینیت کو ریاست کی طرف سے ایک جارحانہ کردار ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جامد لادینیت یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ریاست مذہب کی عوامی نمائش کو اجازت دے کر ایک 'جامد' کردار ادا کرتی ہے۔ جارحانہ لادینیت ایک 'جامع نظریہ' ہے جبکہ جامد لادینیت بنیادی طور پر ایسے عقائد کی طرف ریاستی غیر جانبداری کو ترجیح دیتی ہے"⁽¹⁹⁾۔ ترکی واضح طور پر جارحانہ لادینیت کے زمرے سے تعلق رکھتا ہے، اگرچہ حالیہ برسوں میں جامد لادینیت کی طرف ایک منتقلی ہوئی ہے۔ تاہم یہ بات قابل ذکر ہے، کہ یہ تبدیلی آئین میں کسی بھی ترمیم کے بغیر واقع ہوئی، جو سختی سے لیکن رویوں اور طرز عمل کو تبدیل کرنے کی راہ کی طرف، جارحانہ طور پر سیکولر رہتی ہے۔

عموما ترکی سے جارحانہ لادینیت کی مرکزی مسلم امور کے لئے ایک ماڈل کے طور پر کام کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ بے شک، بہت سے اسلامی مفکرین سختی سے لادینیت کے تصور پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس طرح، کیمالی لکھتے ہیں، "عربی اصطلاح میں لادینیت (لامینیہ، یا دنیاویہ) دنیاوی اور عارضی شے کا حوالہ دیتی ہے اور یہ عام طور پر مذہب سے سیاست کی آزادی کا مفہوم ہونے کے لئے دیا جاتا ہے۔ مسلم دنیا میں اس سے متعلقہ تصورات کے ساتھ مل کر آیا جیسا کہ استعماریت کے تناظر میں جدیدیت اور مغربیت۔ مسلم دنیا کے لئے، استعماری اور سابقہ استعماری دونوں ادوار کے دوران، لادینیت بڑی حد تک اسلام کو غیر اہم گرداننے اور قانون اور حکمرانی سے اس کا اخراج، یا اسے ذاتی قانون کے حلقے تک محدود بنانے کا مطلب ہے" (20)۔ فضل اسی طرح کی دلیل دیتا ہے کہ "مسلم دنیا میں، لادینیت استعماری اور سابقہ استعماری دونوں ادوار میں، عام طور پر مغربی شعوری مداخلت کے طور پر بیان کئے جانے کے ساتھ منسلک ہے۔ مزید برآں، لادینیت وجدان کی صداقت میں ایک گمراہ عقیدہ کی نشاندہی کے طور پر اور عوامی زندگی میں رہنمائی کا ذریعہ کے طور پر مذہب کے لئے مخالفت کا احساس کے طور پر ابھری ہے" (21)۔ شریف مزید کہتا ہے کہ "روایتی طور پر، سخت گیر اسلامی تصور، جو متبادل طور پر لفظ 'لادینیت' اور کفر (معنی 'خدا کا منکر') کا عام استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا، ایک لادینی، یا کافر خدا پر یقین نہ رکھنے والا شخص ہے اور اس طرح برتاؤ کیا جانا چاہئے" (22)۔ چنانچہ، عرب دنیا میں، اگرچہ ایک بنیادی سیکولر نظام کے حامی بھی اس اصطلاح کو استعمال کرنے سے اجتناب کرتے ہیں اور "سویلین ریاست" کی ایک زیادہ غیر جانبدار اصطلاح کو ترجیح دیتے ہیں (دولہ منیہ)۔

معاصر اسلامی ممالک میں آئینی مسودہ میں اسلام کے مرکزی کردار کے حوالے سے، گروٹ اور روڈر (Grote and Röder) مشاہدہ کرتے ہیں کہ "آزادی کے فوری بعد کے دور میں آئینی مباحثے قوم پرستی، لادینیت، جمہوریت پسندی، یا اشتراکیت کی طرح کے مغربی اور (سابق) اشتراکی ممالک سے مستعار لیے گئے تصور کے غلبہ کے حامل ہوتے ہیں، 1970 سے اسلام نہ صرف اسلامی معاشروں کے مذہبی تشخص کی وضاحت کے لئے ایک تصور کے طور پر، بلکہ ان کے آئینی اور قانونی بنیادوں کا تعین کرنے میں ایک اہم اگر حاکمانہ نہیں، عنصر (کم از کم اسمی طور پر) کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ اسلامی دنیا کے بہت سے حصوں میں ریاست کی اسلامی بنیادوں کو جس طرح بھی یا جیسے بھی آج واضح طور پر تسلیم کیا جاتا ہے" (23)۔

ریاست میں اسلام کے کردار کی عام عنوان کے تحت، تین زیادہ مخصوص بلکہ انتہائی اہم مسائل کی نشاندہی کی جا سکتی ہے: آیا اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا جائے گا یا نہیں؛ آیا وہ شریعت کو بطور "ایک" یا "مخصوص" قانون سازی کے ذریعہ کے طور پر قبول کیا جائے گا یا نہیں؛ اور، اگر ایسا ہے، تو کس کے پاس شریعت کے قوانین کی آہنگی کا جائزہ لینے کا اختیار ہو گا۔ پہلے سوال کے تناظر میں، مسلم اکثریت والے ممالک میں سے دس نے خود کو اسلامی ریاستیں قرار دیا، لیکن "زیادہ تر ممالک نے اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب ہونے کا اعلان کرتے ہوئے، اسلامی آئین کے ایک زیادہ اعتدال پسند ورژن کو قائم کیا، لیکن ملک کو ایک اسلامی ریاست ہونے کا باضابطہ اعلان کرنے میں کمی بھی لے آئے" (24)۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ، بشمول تیونس، جو کہ سب سے زیادہ سیکولر اسلامی ممالک میں سے ایک اور کچھ لحاظ سے کیمالسٹ ترکی کا ہم پایہ، 1959 میں اپنے آئین میں واضح طور پر اسلام کے ریاست کا سرکاری مذہب ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ نئے منظور شدہ تیونسی آئین، ایک بنیادی طور پر آزاد اور جمہوری دستاویز نے بھی ایسا ہی کیا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آئین میں ریاست کے مذہب کا سادہ اعلامیہ (یا ایک چرچ کا قیام) ریاست کے مذہبی ہونے کا ضروری طور پر اہل نہیں ہوتا۔ انتہائی آئینی اور یورپ کے آزاد ممالک کے درمیان اس کی مثالیں موجود ہیں۔ جس طرح، ناروے اور ڈنمارک کا آئین ایونجلیکل لوٹھران چرچ کو ایک قانوناً تسلیم شدہ چرچ کے طور پر واضح کرتا ہے، اور 1975 کا یونانی آئین مشرقی آرتھوڈوکس چرچ کو "یونان میں رائج مذہب" کے طور پر واضح بیان کرتا ہے۔ انگلینڈ میں، بادشاہ (یا ملکہ) اینجلیکن چرچ کا/کی سربراہ ہے۔ 1999 کا آئرستانی آئین اور 1997 کا پولستانی آئین بھی عیسائیت کے حوالے پر مشتمل ہے۔ بہر حال، ایک سیکولر نظام کی دیگر بنیادی خصوصیات، جیسا کہ دین اور ضمیر کی آزادی کو، مذہب اور فرقے سے قطع نظر، سرکاری عہدہ کے لئے قانون اور رسائی سے پہلے مکمل برقرار رکھا جاتا ہے (25)۔ جیسا کہ نورس اور انگوبارٹ (Norris and Inglehart) مشاہدہ کرتے ہیں کہ، "چرچ اور ریاست کے تعلقات پر آئینی فارمولوں میں ان بظاہر اہم اختلافات کے باوجود، یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب اعلیٰ درجے کی صنعتی جمہوریتوں کی عوامی زندگی میں کوئی تعینی کردار ادا نہیں کرتا ہے" (26)۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا شریعت کو آئین میں "ایک" یا "مخصوص" قانون سازی کے ذریعہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ نہیں۔ واضح طور پر، دو فارمولوں کے درمیان ایک اہم فرق ہے۔ "ایک ذریعہ" کا مطلب ہے کہ قوانین شریعت کے علاوہ کسی اور ذرائع پر مبنی ہو سکتے ہیں، جبکہ اصطلاح "ذریعہ" شریعت کے لئے ایک زیادہ مضبوط وابستگی کا اظہار ہے۔ ایک اور بظاہر نیز فہم، لیکن اپنے اثرات میں نمایاں، فرق آئینی فارمولا ہے جو "شریعت" اور ایسے ہی "شریعت کے اصولوں" کے درمیان ہے۔ یہ عام طور پر قبول کیا جاتا ہے کہ پہلے فارمولا میں فقہ شامل ہے، اسلامی قانون کا مفصل وجود قرآن و سنت کی بنیاد پر اسلامی فقہا کی طرف سے تیار کیا گیا ہے، جسے ایک جج ساختہ قانون کہا جاتا ہے، جبکہ صرف "شریعت کے اصولوں" کو واجب العمل کے طور پر قبول کرنا مقننہ اور عدالتیں کو، آزاد عمل کا بہت بڑا درجہ دیتا ہے۔

درحقیقت، بعض اسلامی علماء نے شریعت اور فقہ کے درمیان امتیاز کیا ہے۔ فضل دلیل دیتا ہے کہ ایک متناقضہ امر ہے "حقیقت یہ ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق زندگی گزارنے کے احساس ذمہ داری کے درمیان ایک صریح کشیدگی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کو صرف موضوعی تشریحی تعین کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے ... اس دوہری مشکل کو، کسی حد تک، شریعت اور فقہ کے درمیان خصوصی طور پر اسلامی احکامات میں حل کیا گیا تھا۔ دلیل دی گئی تھی، شریعت ربانی تصور ہے ... فقہ سمجھنے اور اس کے تصور کا اطلاق کرنے کے لئے انسانی کوشش ہے۔ لہذا، شریعت ناقابل تغیر، بالکل ٹھیک، اور بے عیب ہے۔" (27)۔

تیسرا سوال یہ ہے شریعت کی بندشی طاقت کی صورت میں کیا اس کے اصولوں کو قبول کیا جاتا ہے، جو ان کے لئے قانون سازی (اور انتظامی امور کی بھی) مطابقت کا جائزہ لیں گے۔ یہاں، دو اختیارات ممکن ہیں: سیکولر اداروں کو یہ کام دینے کے لئے جیسے قانون ساز ادارے یا عدالتیں، یا علماء کی ایک کونسل کے لئے۔ ایران، موجودہ مطالعہ میں شامل نہیں، اپنی نگہبان کونسل کے ساتھ مؤخر الذکر کی انتہائی مثال ہے (سورئ- نگہبان) (28)۔ جن سنی ممالک کا ایک آزاد مذہبی رہنمائی نظام نہیں ہے، وہاں یہ کام عام طور پر عدالتوں پر، خاص طور پر آئینی عدالتوں یا کونسلوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بلا شبہ، گزشتہ دو دہائیوں میں، بہت سے عرب ممالک نے آئینی جواز کی عدالتی نظرثانی کے کچھ طریقوں کو اپنایا ہے (29)۔ شاید اس رجحان کی سب سے زیادہ قابل ذکر مثال 1980 میں قائم شدہ مصری سپریم آئینی عدالت ہے۔ مصری عدالت نے پھر مصری آئین کے آرٹیکل 2 کے لئے

ایک عام طور پر آزاد ترجمانی دی ہے جو شریعت بطور قانون سازی کے ماخذ کے اصولوں کو قبول کرتا ہے۔ اسی طرح، بہ نظر مستقبل نہ کہ بہ انداز ماضی، آئین کے اتحاد میں اس شق کو بیان کیا ہے اور شریعت کے حتمی اور غیر حتمی قوانین کے درمیان امتیاز کیا۔ بے شک، کورٹ نے صرف ایک بار آرٹیکل 2 کی بنیاد پر اب تک ایک قانون کو دبایا ہے (30)۔

ہمارے تین ممالک میں اسلام کی آئینی حیثیت کے حوالے سے، ترکی حکومت کے ایک سیکولر نظام کے لئے واضح طور پر ایک ترجیح کی نمائندگی کرتا ہے (31)۔ 1876 کے عثمانی آئین نے اسلام کو ریاست کے مذہب کے طور پر مقرر کیا؛ تاہم، یہ واضح بیان کرتا ہے کہ عثمانی زمینوں میں تمام معروف مذاہب کی آزاد فرائض کی ادائیگی اور مذہبی معاشروں کو عطا دی گئی مراعات / استحقاق ریاست کی ضمانت کے تحت تھے (آرٹیکل-11)۔ حقوق اور فرائض میں مساوات کے اصول کو بھی تسلیم کیا (آرٹیکل-17)۔ آخر میں، یہ واضح بیان کیا کہ مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلافات کے قطع نظر، عثمانی ریاست کے تمام احکامات کو "عثمانی" کہا جائے گا۔ (آرٹیکل-8)۔

قومی اسمبلی کی طرف سے تیار کردہ 1924 کا جمہوری آئین، کیمالسٹ کے زیرحکومت تھا، لیکن ایک واحد جماعت کے نظام کی تنصیب سے پہلے اور ایک بنیاد پرست سیکولر بنانے کے پروگرام کے آغاز سے پہلے، اسلام کا ریاست کے مذہب کے طور پر واضح اعلان کیا گیا، اور "شریعت کی دفعات" لاگو کرنے کے لئے گرینڈ نیشنل اسمبلی کو باختیار بنایا (احکام اسری / ایانتینفوسی) (آرٹیکل-26)۔ ان اور دیگر مذہبی (جیسا کہ جمہوریہ کے صدر اور نمائندگان کے حلف کے) حوالہ جات کو 1928 میں آئین سے ہٹا دیا گیا، اور لادینیت کو کیمالزم کے دیگر پانچ اصولوں جمہوریت پسندی، قوم پرستی، عوامیت، ریاست پسندی، اور انقلابیت کے ساتھ ملا کر، جمہوریہ کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک کے طور پر 1937 میں آرٹیکل-2 میں شامل کر لیا گیا تھا۔

1961 اور 1982 کے آئین نے اسی روایت کی پیروی کی اور اپنے دونوں آرٹیکلز 2 میں لادینیت کا ریاست کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک کے طور پر اعلان کیا۔ مزید برآں، مضبوط احتیاط کے ساتھ دونوں آئین کو ریاست کی سیکولر نوعیت کی حفاظت کے لئے شمار کیا گیا۔ اس طرح، 1961 کے آئین کا، آرٹیکل 19 اور 1982 کے آئین کے آرٹیکل 24 نے بو بہو الفاظ میں کہا ہے کہ "کسی کو بھی مذہب یا مذہبی جذبات کو، یا مذہب کی طرف مقدس افعال، چاہے کسی بھی انداز میں ہوں، جزوی طور پر ریاست کی، بنیادی، سماجی، اقتصادی، سیاسی، یا قانونی حکم پر مبنی مقصد، یا سیاست حاصل کرنے کے مقصد یا ذاتی مفاد یا اثر و رسوخ کے لئے استحصال یا ناجائز استعمال کی اجازت نہیں دی جائے گی"۔ اسی طرح، دونوں آئین شرط لاگو کرتے ہیں کہ "خاص

قانون اور پروگرام کے ساتھ ساتھ سیاسی جماعتوں کی سرگرمیاں جمہوری اور سیکولر جمہوریہ کے اصول کے ساتھ متصادم نہیں ہوں گی۔" پارٹیاں جو اس شرط کی خلاف ورزی کرتی ہیں ان پر آئینی عدالت کی طرف سے مستقل طور پر پابندی عائد کر دی جائے گی (آرٹیکلز - 1982 کے آئین کے 68 اور 69)۔ اس عرصے کے دوران، آئینی عدالت نے ایک مضبوط محافظ اور لادینیت کے اس جارحانہ مفاہمت کے محافظ کے طور پر عمل کیا⁽³²⁾۔

عرب دنیا میں، حبیب بورگوینا کے تحت کیمالسٹ ترکی کا قریب ترین متوازی تیونس تھا۔ اگرچہ تیونس کے آئین نے اسلام کو ریاست کے مذہب کے طور پر تسلیم کیا، اسے بطور صدر، "نام نہاد مذہبی عقیدے کے سخت الزام سازی کے منتشر کردہ فرانسیسی کی ایک متوازی منسلک شدہ پالیسی اور ترکی کی طرز کی ریاست کی قیادت 'جدیدیت' پر تعبیر کیا... ہر کوئی جانتا تھا کہ اس کی جدیدیت اور سیکولر اصلاحات کو روایتی مسلمانوں کے شبہات کی ناہموار سواری کرتے ہوئے ریاست کے جھکاؤ طاقت کی طرف سے عائد کا گیا تھا۔"⁽³³⁾

مصر میں، "ابتدائی آئینی تجربات نے آئینی متن اور اسلامی شریعت کے درمیان تعلقات کے بارے میں ہمیشہ سوالات نہیں اٹھائے۔ ایسا جزوی طور پر تھا کیونکہ آئین نے اسلامی قانون کی درخواست کے لئے یکساں طور پر اس کے ساتھ یا غیر مطلق کے طور پر خود کو پیش کیا۔" تاہم، ایک اہم قدم لیا گیا، جب 1971 کے آئین (آرٹیکل- 2) کو قانون سازی کے ایک اصول کا ذریعہ بننے کے لئے اسلامی شریعت قرار دیا۔ "اس کو مزید تیار کیا گیا جب آرٹیکل 2 کو نہ صرف ایک اسلامی ذریعہ، بلکہ قانون سازی کے مخصوص بنیادی ماخذ کے طور پر، اسلامی شریعت کے لئے فراہم کرنے کے لئے بعد ازاں 1980 میں ترمیم کی گئی۔ 30 مارچ 2011 کو مسلح افواج کی سپریم کونسل کی طرف سے جاری کردہ اس شق کو عبوری آئین میں کسی تبدیلی کے بغیر برقرار رکھا گیا ہے"⁽³⁴⁾۔

آئین سازی کا عمل

کوئی آئین سازی کے متفقہ (رہائشی) اور غیر متفقہ (تصادمی) انداز یا طریقوں کے درمیان فرق کر سکتا ہے۔ اینڈریا بونیم-بلانک کے الفاظ میں، "متفقہ آئین سازی تب وقوع پذیر ہوتی ہے جب زیادہ تر (اگر تمام نہیں) اہم بڑے سیاسی گروپ آئین کا مسودہ تیار کرنے میں حصہ لیتے ہیں... معاہدات تک سمجھوتہ کے ذریعے، اپنے اصول پر اڑے رہنے کے حل سے احتراز کرنے اور عمل کے دوران سیاسی ذمہ داری کے تصور کو برقرار رکھنے سے پہنچا جاتا ہے... غیر متفقہ آئین سازی ایک عمل ہے جس میں تمام سیاسی اداکار شرکت کرتے ہیں، کٹر حل غالب ہوتے ہیں اور مسائل کو اکثر غیر ذمہ دارانہ طریقے سے حل کیا جاتا ہے۔ معاہدوں کو پورا کرنا مشکل ہے، اور اگر پورا کیا جاتا ہے، تو کثرت سے اس کے یا اس سے زیادہ بڑی اہم سیاسی جماعتوں کے خیالات کو خارج کر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ خیز آئینی متن ایک ہے جو نئے سیاسی نظام کے استحکام کے لئے ایک ممکنہ خطرہ متصور ہوتا ہے" (35)۔

تیونس اور مصر میں آئین سازی کا عمل بالترتیب متفقہ اور غیر متفقہ طرز کے لئے ہم آہنگ کیا گیا، اگرچہ دونوں کو اسی طرح کے حالات سے متحرک کیا گیا تھا، جیسا کہ آمرانہ اور بدعنوان حکومتوں کے خلاف جمع مقبول شکایات کے نتیجے میں مقبول بغاوتیں۔ تیونس کا عمل ایک متفقہ طریقے سے بنیادی طور پر آگے بڑھا اور نتیجے میں آئینی متن کو تیونس کی ایک مضبوط اکثریت نے منظوری کا حکم دیا۔ مصری عمل، بالموازنہ، خاصیتاً غیر متفقہ تھا۔ اس کے نتیجے میں، پہلے مرحلہ ایک فوجی مداخلت، ایک شدید خانہ جنگی، اور صدر مرسی کی معزولی اور مسلمان بھائیوں کی حکومت کے ساتھ ختم ہوا۔ دوسرے مرحلے میں مکمل طور پر فوج کا غلبہ پایا گیا تھا۔ پہلے اور دوسرے دونوں مسودوں کو مقبول ریفرنڈم کی طرف سے، لیکن شراکت کی کم شرح کے ساتھ منظور کیا گیا تھا۔

عبوریت کے عمل کی کامیابی یا منتقلی کے لئے امکانات کو متاثر کرنے والا ایک دوسری متغیر عبوری حکومت کی نوعیت ہے۔ یوسی شائن اور جوآن لنز دلیل دیتے ہیں کہ "عبوری انتظامیہ کی قسم مابعد حکومت کا تعین کرنے میں بہت اہم ہے، اور چاہے تو نسل کو متاثر کر سکتا ہے اور طویل مدتی استحکام کے امکانات کے ساتھ علاقائی تنازعات میں مداخلت کرے گا"⁽³⁶⁾۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تیونس کی عبوری حکومت شائن اور لنز کی "شراکت اقتدار عبوری حکومت" قسم کے مشابہ ہے۔ بن علی کی تعیناتیوں سے پر شدہ پہلی عبوری حکومت کو جلد ہی ایک بہت زیادہ جمہوری اور نمائندہ سے تبدیل کر دیا گیا، جسے عام طور پر اس کے چیئرمین کے بعد بن اچور کمیشن کے طور پر جانا گیا، تمام جماعتوں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں پر مشتمل تھی۔ اسٹیفن کے الفاظ میں، اس کمیشن نے 'مہارتی' جمہوری تغیرات کی تاریخ میں سب سے زیادہ مؤثر متفقہ تعمیری اداروں میں سے ایک ہونے کو ثابت کر دیا"⁽³⁷⁾۔ ایک جمہوری منتقلی کو یقینی بنانے کے لئے بنیادی طور پر باضابطہ معاملات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، کمیشن نے "فیصلہ کیا ہے کہ منعقد کیا جانوالا پہلا مقبول ووٹ ایک آئینی اسمبلی کے اراکین کے منتخب کرنے کے لئے ہو گا " کہ "انتخابی نظام خالص متناسب نمائندگی میں سے ایک ہوگا،" اور یہ کہ ایک آزاد انتخابی کمیشن انتخابات کی شفافیت کو یقینی بنانے کے لئے قائم کیا جائے گا"⁽³⁸⁾۔ درحقیقت، آئین ساز اسمبلی کے لئے اکتوبر 2011 کے انتخابات، جہاں اعتدال پسند اسلامی تنظیم النہضہ نے 37 فی صد ووٹ کے ساتھ 89 نشستیں حاصل کیں (109 سے کم نشستیں ایک حکومت کی تشکیل اور برقراریت کے لئے ضروری ہیں)، یہاں تک کہ اسے ہارنے والوں کی طرف سے آزاد اور منصفانہ سمجھا جاتا تھا۔ آئین ساز اسمبلی نے جمہوریہ کے صدر کے طور پر ایک سیکولر انسانی حقوق کے کارکن منصف مرزوقی کو رکن منتخب کیا اور النہضہ کے سابق سیکرٹری جنرل حمدی جبالی کی وزارت عظمیٰ کے تحت ایک تین جماعتی مخلوط حکومت کی تائید کی⁽³⁹⁾۔

مصری کیس تیونس کے معاملے سے ایک قطعی برعکس رخ فراہم کرتا ہے۔ مبارک کے زوال کے بعد، منتقلی کا عمل سختی سے مسلح افواج کی سپریم کونسل (SCAF) کی طرف سے کنٹرول کیا گیا۔ جبکہ سیکولر فورسز نے انتخابات کے انعقاد سے پہلے ایک تحریری آئین کی طرفداری کی، SCAF، اخوان المسلمون (MB) کی طرف سے حمایت کردہ، پیپلز اسمبلی کے انتخابات کے انعقاد کے لئے منظم کردہ، جہاں دو اسلامی جماعتیں، MB اور اس سے زیادہ بنیادی سلفی النور جماعت نے ایک مضبوط اکثریت حاصل کی۔ نومبر اور دسمبر 2011 اور

جنوری 2012 میں تین مرحلہ انتخابات میں آزادی اور انصاف پسند جماعت، MB کے سیاسی حلیف، نے 235 نشستیں جیتیں، النو جماعت، سلفی کے سیاسی حلیق نے 121 نشستیں جیتیں، نیا وفد (مصر کی قدیم ترین پارٹی) نے 38 نشستوں پر کامیابی حاصل کی اور مصری بلاک (آزاد اور بائیں بازو کی جماعتوں کے اتحاد نے 34 نشستیں جیتیں)۔ پیپلز اسمبلی اور شوری کونسل کے مشترکہ اجلاس میں (دوسرا چیمبر) ایک آئین ساز اسمبلی 24 مارچ 2012 کو منتخب کی گئی، جس نے ایک مضبوط اسلام پسند اکثریت کی عکاسی کی۔ آئینی جنگوں کے ایک سلسلے کے بعد، آئین ساز اسمبلی کی طرف سے تیار متن 15 اور 25 دسمبر 2012 کو ایک ریفرنڈم میں تقریباً دو تہائی اکثریت لیکن ایک کم شرکاء کی شرح کے ساتھ منظور کیا گیا تھا⁽⁴⁰⁾۔ جون 2012 میں، محمد مرسی، MB امیدوار کو صدر کے طور پر منتخب کیا گیا۔ اس طرح، اسٹپین مشاہدہ کرتا ہے کہ تیونس کے کیس کے موازنہ میں، مصر میں مبارک حکومت کو "یکطرفہ اعلامیوں کے اسباب سے بنیادی سیاسی تبدیلی کا انتظام کرنے کی کوشش کے لئے اس کے رجحان کے ساتھ نہ صرف سویلین ادارے بلکہ SCAF کی طرف سے تبدیل کیا گیا۔ (جن میں سے 150 سے زائد اب تک جاری کئے گئے ہیں)"⁽⁴¹⁾۔ اسی طرح، سٹپین اور لنز نے مصری آئین سازی کے عمل کی ایک تکونی جنگ کے طور پر وضاحت کی:

"... جرنیل، اخوان المسلمون، اور لبرلز عوامی پالیسی بنانے کے لئے تمام بعض امور میں خود کو جمہوری اداروں کے حقوق پر حد رکھ کر محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ جلد ہی مبارک کے زوال کے بعد، بہت سے نوجوان سیکولر آزاد خیال جنہوں نے تحریر اسکوائر کو بھرا ہوا تھا، بحث کرنا شروع کر دی کہ MB بہت مضبوط تھا اور اگر سیکولر آزاد خیال اقتدار کی فوج کے ایک غیر جمہوری ذریعہ کے ساتھ ایک سمجھوتہ کرتے ہیں تو صرف بنیادی غیر جمہوری بنیادی آزاد جمہوری اقتدار کو بچایا جا سکتا ہے۔ کئی آزاد خیال دلیل دیتے ہیں کہ فوج کو آئین ساز اسمبلی کے لیے انتخابات سے قبل ڈھانچہ، یا پھر آئین لکھنے میں مدد کرنی چاہئے، یا آئین کا مسودہ بنانے کے لئے کم از کم ماہرین کی ایک کمیٹی کا تقرر کریں تاکہ اخوان اکثریت کو قائم نہ کر سکیں⁽⁴²⁾۔"

توقع کے مطابق، مصری آئین سازی کے عمل میں ریاستی مذہبی تعلقات کلیدی تنازعاتی نکات میں سے ایک بن کر ابھرے۔ "موضوع کے ایک سرے پر، عیسائی اور سیکولر مصری ایک مذہبی غیر جانبدار آئین کی خواہش کرتے ہیں۔ دوسرے سرے پر، قدامت پسند مسلمان شریعت کو مرکزی مقام تک لے جانا چاہتے تھے۔ سلفی گروہوں نے اصل مطالبہ کیا کہ "اصولوں" کو آرٹیکل 2 سے ہٹایا جائے، جس کو شریعت کی قانون سازی کا اہم ذریعہ بنایا جائے گا۔" مندرجہ بالا نشاندہی کے طور پر، لفظ "اصول" نے عظیم آئینی عدالت کو "فیصلہ کرنے میں

قابل غور صوابدید دی کہ کیا چیز شریعت سے مطابقت رکھتی تھی اور کیا نہیں تھی۔" آخر میں، ایک سمجھوتہ کر لیا گیا جس کے تحت آرٹیکل 2 کو برقرار رکھا گیا، لیکن تین مزید آرٹیکلز (3، 4، اور 219) کو متن میں شامل کیا گیا۔ آرٹیکل 3 غیر مسلموں کے لئے ضمانت فراہم کرتا ہے۔ آرٹیکل 4 بیان کرتا ہے کہ "الازہر کی سینئر علماء کونسل سے اسلامی شریعت سے متعلق معاملات پر مشاورت کی جائے گی۔" تاہم، "الازہر روایتی طور پر اسلام کی ایک اعتدال پسند ورژن کی وکالت کے لئے مشہور رہی ہے،" اور آرٹیکل 4 کے تحت اس کی رائے قانونی طور پر پابند/محدود نہیں ہیں۔ دوسری جانب، آرٹیکل 219، شریعت کے معنی کی وضاحت کرتا ہے۔ اس طرح، اسلامی شریعت کے اصول میں "اب فقہ معتبر ذرائع کے تمام قوانین شامل ہیں جنہیں سنی عقائد میں قبول کیا جاتا ہے" سپریم آئینی کونسل کی طرف سے دی گئی تعبیر محدود سے آگے اس کے دائرہ کار کو وسعت دے رہے ہیں⁽⁴³⁾۔ ریاست اور مذہب کے درمیان تعلقات کے علاوہ، شہری اور فوجی تعلقات، اور حکومت کا نظام (صدارتی یا پارلیمانی) نے دیگر اہم متصادم مسائل کو جنم دیا⁽⁴⁴⁾۔ اس طرح، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ 2012 کا آئین، جو بہت ہی مختصر عرصے کے دوران نافذ العمل رہا، اس نے سپریم آئینی عدالت اور شوریٰ کونسل کے درمیان اور شوریٰ کونسل اور الازہر کے درمیان تلخ آئینی تنازعات کا مشاہدہ کیا۔ دو معروف ماہرین نے 2012 کے آئین کی وضاحت بطور ایک ایسی دستاویز کی ہے جو "ایک عمل کے دوران لکھی گئی دستاویز ہے جو بہت امید کے ساتھ شروع کی گئی اور تلخ جوابی الزام تراشیوں کے ساتھ ختم ہوئی، جو مسودہ نگاروں کی جانب سے غلط برتاؤ کا شکار، اور مسودہ نویسی کے حتمی مراحل میں اپوزیشن کے بائیکاٹ کا شکار رہی۔"⁽⁴⁵⁾

مصری آئین سازی کے عمل کو انتہائی بے حسی کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ "آئینی مسودہ تیار کرنے کے عمل کے لئے پوری بنیادی ساخت مذاکرات یا سیاسی قوتوں کے درمیان ایک مشترکہ تفہیم کے ذریعے کی پیداوار نہیں... یہ مارچ 2011 میں SCAF کی طرف سے عائد کیا گیا تھا اور جون 2012 میں مرسی کو موقع ملا تو ان کی طرف سے ترمیم نہیں کی گئی... نومبر 2012 میں آئین کا مسودہ حتمی شکل دینے کیلئے اخوان المسلمون کی فریڈم اینڈ جسٹس پارٹی (FJP) کی طرف سے حتمی فیصلہ کن اکثریت کے باوجود تمام غیر اسلامی عمل سے پیچھے ہٹ گئے جو آئین کے اور پارٹی کی اپنی ساکھ کے لئے ایک مہلک دھچکا تھا۔"⁽⁴⁶⁾ وسیع بنیادوں پر متفقہ متن پر پہنچنے کے لئے بڑے مصری سیاسی کرداروں کی ناکامی، اور نتیجہ خیز سیاسی تقطیب یقینی طور پر فوجی بغاوت کے پیچھے چھپا بنیادی عنصر تھا۔

MB حکومت کی معزولی کے ساتھ، نئے عبوری صدر عادل منصور نے 8 جولائی 2013 کو ایک منصوبہ فراہم کیا ایک "آئینی اعلامیہ" (یا عبوری آئین) جاری کیا، کہ نئے آئین کا مسودہ کس طرح تیار کیا جائے گا⁽⁴⁷⁾۔ توقع کے مطابق، نئے مرحلہ فوجی اکثریتی عبوری حکومت کے سخت کنٹرول کے زیر سایہ آگے بڑھا۔ 1 ستمبر 2013 کو عبوری صدر نے ڈرافٹ کے آخری ورژن تیار کرنے کے لئے ایک 50 رکنی کمیٹی قائم کی، اور کمیٹی نے اپنا کام 2 دسمبر 2013 کو مکمل کیا۔ ڈرافٹ 14-15 جنوری 2014 کو ریفرنڈم کے لیے پیش کیا گیا تھا اور 38.6 کی کم شرکت کی شرح کے ساتھ 98.1 فیصد اکثریت سے منظور کر لیا گیا۔ نئے آئین میں پیش کی گئی سب سے اہم تبدیلیوں میں نے ایک حکومت میں مذہب کے کردار کو یکسر کم کرنا ہے۔ اگرچہ آرٹیکل 2 اب بھی اسلام کو ریاست کے مذہب کے طور پر بیان کرتا ہے، شریعت کا رتبہ زیادہ لچک دار شرائط میں ظاہر کیا جاتا ہے: "اسلامی شریعت کے اصول قانون سازی کا بنیادی ماخذ ہیں۔" شریعت کے قانون سازی کے مطابق جائزہ لینے میں الازہر کے مشاورتی کردار پر سابق آرٹیکل 4 نیا متن میں ظاہر نہیں ہوتا۔ جیسے زید بن علی کی دلیل ہے کہ، "زیادہ سیکولر ذہن رکھنے والے مصری پرسکون ہو جائیں گے کہ مذہب کے بہت سے حوالہ جات، جنہیں 2012 میں شامل کیا گیا تھا، ختم کر دیئے گئے تھے۔ سب سے اہم بات، 2012 کے آئین سے مضموم آرٹیکل 219، راحت کے ایک بڑے سانس کی اجازت دیتے ہوئے ہٹا دیا گیا تھا۔" پارلیمنٹ سے (جس کی MB نے بھرپور حمایت کی) صدر کو اقتدار کے توازن کی منتقلی ایک اور اہم تبدیلی تھی، "فرض کے تحت کہ اخوان المسلمون کے پاس جلد ہی کسی وقت صدارت جیتنے کا تھوڑا بہت موقع ہے۔ یہ متاثر کن اختیارات سے اور فوج، پولیس اور عدلیہ کو آزادی سے نوازتا ہے، جسے بھائی چارگی کے خلاف Bastion تصور کیا جاتا ہے۔"⁽⁴⁸⁾۔ یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا مصر کا سیاسی نظام نئے آئین کے تحت جمہوری سمت میں ارتقائی مراحل طے کرپائے گا۔

مصری تجربے کے مقابلے میں، تیونس میں آئین سازی کا عمل بنیادی طور پر متفقہ طریقے سے آگے بڑھا، اگرچہ یہ بھی بعض صورتوں میں غیر متفقہ مراحل پر تھا۔ اس فرق کی وضاحت کے لئے کئی وجوہات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ سب سے اہم بات، تیونس کی اسلام پسند جماعت النہضہ مصری MB سے زیادہ اعتدال پسند قوت ہے۔ حمدی جبیلی، النہضہ کے سابق سیکرٹری جنرل کہتے ہیں کہ "ہم اخوان المسلمون کی نسبت AKP کے زیادہ قریب ہیں۔ ہم تیونس کی حقیقت سے نکلنے والی نہ کہ ایک مذہبی جماعت، بلکہ ایک شہری جماعت ہیں۔ ایک مذہبی جماعت کا خیال ہے یہ قانونی جواز لوگوں کی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ ایک مذہبی جماعت کا خیال ہے اس میں سچائی ہے اور کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس میں سچائی ہے" (49)۔

سٹیپن اور لنز تیونس کی استثنائی کی وضاحت کرنے کے لئے اسی زمرے میں تین عوامل پر زور دیتے ہیں: "پہلا، النہضہ جماعت کے رہنما، جو ایک وقت میں اخوان المسلمون کے قریب تھے، ابتدائی 1980 کے بعد سے انڈونیشیا کے بڑے اسلامی گروپوں سے مشابہت کرنے کے لئے آئے دلیل دیتے ہیں کہ جمہوریت صرف قابل قبول نہیں تھی، لیکن ضروری تھی۔ اس نے بالآخر بن علی کے خلاف دیگر جماعتوں کی مشترکہ کوششوں سے النہضہ کے اسلام پسند اور سیکولر آزاد خیال کے درمیان تعاون کو سہل بنایا۔ دوئم، منتقلی شروع ہونے سے پہلے سیکولر اور اسلام پسندوں کے درمیان انتہائی تجددانہ (معاہدوں) کی تشکیل کی وجہ سے، جمہوریت کے نتائج کے شدید خوف کے خلاف ایک جوڑ کی قسم موجود تھی جو دوغلی آمریت کو چلاتی ہے۔ بے شک، شبہات رہتے ہیں، لیکن سب سے زیادہ سیکولر آزاد خیال النہضہ سے آمریت کو اس کے خلاف ایک ڈھال کے طور پر استعمال کرنے سے نہیں ڈرتے۔ سوئم، مصر کے برعکس تیونس میں، نہ صرف سول سوسائٹی بلکہ سیاسی معاشرے نے ترقی کرنی شروع کر دی۔ تیونس میں، سیکولر لیبرلز اور اسلام پسندوں نے باقاعدگی سے آٹھ سال کے لئے بن علی کے زوال سے پہلے یہ دیکھنے کے لئے ملاقات شروع کر دی ہے کہ آیا وہ باہمی خدشات کو کم کر سکتے ہیں اور جمہوری حکومت کے لئے قوانین پر متفق ہیں۔ یہ کہ، انہوں نے ایک سیاسی معاشرے کی تشکیل شروع کر دی ہے" (50)۔

بے شک، النہضہ اور سیکولر لبرلز کے درمیان رابطہ نے 2003 کی ابتداء میں ایک شاندار دستاویز "تیونس سے پکار" کے نام سے تیار کی تھی۔ دستاویز نے دو بنیادی اصول کی تائید کی، یعنی کہ کوئی بھی مستقبل کی منتخب حکومت "قانونی جواز کے واحد ذریعہ کے طور پر لوگوں کی خود مختاری پر قائم ہوگی"، اور ریاست، لوگوں کی شناخت اور اس کے عرب مسلم اقدار کے لئے احترام کو دکھاتی ہوئی، "تمام اور عبادت گاہوں کی سیاسی تعدیل کے لئے عقائد کی آزادی کی ضمانت" فراہم کرے گی۔ پکار نے "عورتوں اور مردوں کی مکمل مساوات" کا بھی مطالبہ کیا۔ 2005 کے بعد سے، "چار اہم سیاسی جماعتوں نے، چھوٹی جماعتوں کے نمائندوں کے ساتھ مل کر، دوبارہ توثیق کرنے کے لئے ملاقات کی اور پکار کے اصولوں کے لئے مزید اپنے عزم کو گہرا کیا" (51)۔

یقینی طور پر تیونس نے بعض دیگر خصوصیات دکھائیں جس نے ایک پرامن اور متفقہ منتقلی کو سہل بنایا۔ ہنری کی دلیل کے طور پر، "تیونس، امیرانہ، جدید شہری بنائے جانے کے ساتھ، بہتر تعلیم یافتہ آبادی، متناسب موبائل فونز، انٹرنیٹ کنکشن، اور فیس بک کی رکنیت کے ساتھ سب سے زیادہ امید افزا امیدوار تھا۔ اور تیونس نے ایک اور بڑے فائدے کا لطف اٹھایا۔ اس کے نسبتاً معمولی فوجی دستوں، سب سے زیادہ دیگر عرب ریاستوں میں سے ان لوگوں کے برعکس، سیاست سے دور رہنے کی ایک فاخر روایت تھی۔ دستور کے خالق حبیب بارگیوبا کے تحت تیونس نے خطے میں واحد سویلین جمہوریہ کے طور پر ایک مثالی ساکھ قائم کی، اور ان کے جانشین، ملٹری انٹیلی جنس میں ایک کیریئر کے باوجود، اپنے محافظ دستہ کے طور پر خدمات کرنے کے لئے فوج کی نسبت پولیس کو فروغ دیا۔ تیونس کی مسلح افواج ایک طرف قدم کے لئے صرف بہت خوش تھے اور صدر بن علی کی حفاظت کی بجائے پولیس سے عوام کو تحفظ فراہم کرتے تھے" (52)۔

بے شک، اس کا یہ مطلب نہیں ہے، کہ تیونسی تغیر نے بعض غیر متفقہ مراحل کا تجربہ نہیں کیا۔ دو ماہرین کے الفاظ میں، "ایک وقت کے لئے، یہ یقین سے دور تھا کہ مذاکراتی جماعتیں ایک حتمی معاہدے تک پہنچنے کے قابل ہوں گی۔ یہ سچ تھا کہ جون 2013 کے دوران مصر میں ہونیوالی تبدیلیوں کے بعد، مصر تین حزب اختلاف کے سیاست دانوں کا خفیہ قتل، اس کے ساتھ ساتھ ملک کی فوج کے خلاف حملوں سے وابستہ ہوا... 2013 کے موسم خزاں کے دوران، حزب اختلاف کے قیادتی ارکان حکومت کا تختہ الٹنے اور آئین ساز اسمبلی کو کالعدم کرنے کے لئے بلا رہے تھے۔ آخر میں، سیاسی بحران کو کم کرنے کے لئے کسی بھی اضافی تشدد کے بغیر مذاکرات کے ایک سلسلے نے جگہ بنا لی۔ ملک کی اہم سیاسی قوتوں کی بات چیت میں حصہ لیا جنہیں ملک کی سب ٹریڈ یونینوں، وکلاء کی انجمن، اور ملک کی سب سے بڑی انسانی حقوق کی انجمنوں میں سے ایک کے ثالث ہونے سے منظم کیا جا رہا تھا (جن کا ایک دوسرے کے ساتھ 'چار افریقی' کے طور پر حوالہ دیا گیا تھا)⁽⁵³⁾۔ آخر میں، ایک معاہدہ طے ہوا اور نیا آئین 12 منفی ووٹوں کے مقابل 200 مثبت کے ساتھ، ایک بہت مضبوط اکثریت سے آئین ساز اسمبلی کی طرف سے منظور کر لیا گیا۔

اس طرح، حتمی متن اتفاق رائے پر مبنی ایک سمجھوتہ کی عکاسی کرتا ہے۔ مذہب کے کردار کے حوالے سے، جبکہ اسلام کو ریاست کے مذہب کے طور پر بیان کیا جاتا ہے (آرٹیکل-1)، آرٹیکل 3 بتاتا ہے کہ خودمختاری لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اگرچہ یہ دونوں اصول متضاد دکھائی دے سکتے ہیں، یہ دلیل دی گئی ہے "مذاکراتی فریق کے ان حالات میں بہتر انتظامات تک پہنچنے کے قابل ہونے کے بہت کم امکانات ہیں، خاص طور پر ان کی رائے میں اس فرق کو اہمیت دی جو ان کے درمیان موجود ہے"⁽⁵⁴⁾۔ اس کے علاوہ سیکولر کے اطمینان کے لئے، آرٹیکل-2 تیونس کو ایک "سول ریاست" کے طور پر بیان کرتا ہے (عربی کے استعمال میں ایک سیکولر ریاست کی ایک مشابہت)؛ تاثیر کے لئے کوئی شرائط نہیں ہے کہ شریعت کا وجود "ایک" یا "مخصوص" قانون سازی کا ماخذ ہے؛ اور آرٹیکل 20 صنفی مساوات کی توثیق کرتا ہے: "تمام شہریوں، مرد اور خواتین کے یکساں، مساوی حقوق اور فرائض ہیں اور کسی بھی امتیاز کے بغیر قانون کے سامنے برابر ہیں۔ ریاست ہر شہری، مرد، خواتین، انفرادی اور اجتماعی حقوق کی ضمانت دیتی ہے اور ایک باوقار زندگی کے لیے

حالات کے ساتھ ان کو فراہم کرتی ہے۔" اس طرح، دو مبصرین کے نوٹ کے طور پر، "ایک حتمی معاہدے پر کامیابی سے مذاکرات کے ذریعے، تیونس نے فراہمی کے طریقہ کی قیادت کی ہے جسے نظریاتی اختلافات تنازعات یا تعطل کی صورت میں قیادت کی ضرورت نہیں... عمل اور نتیجہ کی بنیاد پر نقطہ نظر جسے تیونس کے مذاکرات کار نے اپنایا نہ صرف عرب کے علاقے کے لئے، بلکہ باقی دنیا تمام کے لئے، کامیاب آئین سازی اور تنازعات کے حل کی ایک مثبت مثال کے طور پر کام کرے گا⁽⁵⁵⁾۔

ترکی مکمل طور پر نئے اور جمہوریت کے ساتھ اپنے فوجی-متاثرہ، 1982 کے لیبرل آئین کو تبدیل کرنے کے ابھی تک قابل نہیں۔ اس کے بجائے، یہ آئینی ترامیم کی سیاست میں مصروف ہے۔ اب تک، آئین میں بعض اوقات بڑی اور کبھی کبھی معمولی طریقوں سے، 18 بار ترمیم کی گئی ہے۔ اگرچہ ان ترامیم کا مجموعی اثر آزاد بنانے سیاسی نظام کے جمہوری عمل کی قابل غور تعداد رہی ہے اور اس بات پر عام طور پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ اس کی آمرانہ اور آزاد خیال روح کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ 1993 سے 2005 تک ترامیم کو شدید اندرونی جماعت مذاکرات کے ذریعے ایک متفقہ انداز میں انجام دیا گیا اور غالب اکثریت کے ساتھ قومی اسمبلی کی طرف سے منظور کیا گیا تھا۔ دوسری جانب، 2007 اور 2010 کی ترامیم، ایک انتہائی غیر متفقہ طرز کی مصنوعات تھیں اور بنیادی طور پر اکثریت جماعت، AKP کے ووٹوں سے اپنائی گئیں۔ 2008 میں ایک آئینی ترمیم، یونیورسٹی کی طالبات کے لئے سر پر اسکارف کی پابندی اٹھانے کے لئے بنایا گیا، جو سیکولرزم پر نا قابل ترمیم فراہمی سے مبینہ طور پر اس کے برعکس ہونے کی وجہ سے آئینی عدالت کی طرف سے منسوخ ہو گیا۔ شروع میں 2007 اور 2010 میں ترامیم کو دو تہائی اکثریت سے بھی کم کی طرف سے منظور کر لیا گیا تھا، جسے ایک لازمی ریفرنڈم کو پیش کیا جانا تھا۔ آخر میں، بالترتیب، انہیں 69 اور 58 فیصد اکثریت کی طرف سے منظور کیا گیا تھا⁽⁵⁶⁾۔

نیا آئین بنانے کے لئے سب سے زیادہ سنجیدہ کوشش 2011 کے پارلیمانی انتخابات کے بعد سامنے آئی۔ چاروں جماعتوں نے نو منتخب پارلیمنٹ میں نمائندگی کی (قدامت پسند AKP، پختہ سیکولر، مرکزی بائیں CHP، الٹرا نیشنلسٹ MHP، اور کردشی قوم پرست BDP) پارلیمنٹ میں ایک بین پارٹی "آئینی مصالحتی کمیٹی" قائم کرنے پر اتفاق کیا۔ تیز کام کے دو سال کے اختتام پر، کمیٹی 1982 کے آئین کے کل 175 میں سے صرف 60 آرٹیکلز پر متفق ہو سکی تھی۔ اس کے علاوہ، متفقہ مضامین میں سے کسی نے بھی واقعی متنازع مسائل کو نہیں چھوا جیسے ریاست اور مذہب کے درمیان کرد سوال اور تعلقات۔

بے شک، مسائل کے آخری سیٹ جدید ترکی کی سیاست (یہاں تک کہ اواخر عثمانی) میں ہمیشہ مرکزی اہم تقسیم رہی ہے۔ تقسیم سیکولر اور سیکولر بنانے والے ریاستی شرفا اور ان کے معاشرے میں اتحادیوں، اور اعتدال پسند بڑے عوام اور مذہبی لوگ کے مابین ہے۔ اس لحاظ سے، تقسیم کو ترکی علماء کرام کی ایک تعداد کی طرف سے مرکزی علاقے کے طور پر بیان کیا گیا ہے⁽⁵⁷⁾۔ فی الحال، سرحدی حدود کی موجودہ حکومتی جماعت AKP کی طرف سے نمائندگی کی جاتی ہے، اور سیکولر مرکز کی سربراہ نمائندہ CHP (جمہوری عوامی جماعت) ہے۔ اگرچہ AKP نے سیکولر ریاست کے اصولوں کو اپنانے سے کبھی انکار نہیں کیا ہے اور خود کو نہ صرف اسلامی بلکہ ایک "قدامت پسند جمہوری" پارٹی کے طور پر بیان کیا، یہ اسلام کے لئے عظیم تر عوامی ظہور کے ساتھ واضح طور پر لادینیت کی ایک غیر فعال قسم کے حق میں ہے⁽⁵⁸⁾۔ حقیقت میں، حالیہ برسوں میں عام قانون سازی یا پھر انتظامی طرز عمل تبدیل کرنے کے ذریعے کسی بھی آئینی ترامیم کے بغیر، جارحانہ سے جامد لادینیت میں خاطر خواہ منتقلی ہوئی ہے۔ دوسری جانب، سیکولر فرنٹ، نے AKP کے بارے میں ایک بتدریج اسلامی دور حکومت قائم کرنے کے ایک "خفیہ ایجنڈا" پر عمل پیرا ہونے کا شک کیا ہے، جو دوسرے الفاظ میں "بھیڑوں کے لباس میں بھیڑیے" ہیں۔

لہذا، یہ حیرت انگیز نہیں ہے کہ آئینی مصالحتی کمیٹی سیکولر مذہبی تقسیم کے ساتھ کسی بھی معاملے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی تھی۔ اہم تقسیم کے مسائل مذہبی امور کے ایوان صدر کی حیثیت، سرکاری اور نجی حلقوں میں مذہبی تعلیم، درویش احکامات (طریقیت) پر پابندی کا خاتمہ یا بحالی، مذہب کا عوامی ظہور، اور مذہبی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد ہیں۔ تاہم ایک مکمل متفقہ آئین بنانے کے امکانات بنور پہلے کی طرح ناقابل حصول دکھائی دیتے ہیں۔

نتیجہ: اسلامی آئین پسندی پر آزمائشی مشاہدے

ذیلی عنوان میں لفظ "آزمائشی" کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ یہ موضوع جتنا سیاسی تجزیے کو بیان کرتا ہے اتنا ہی (جو میری مہارت کی حد سے واضح طور پر باہر ہے) نظریاتی بحث سے متعلق ہے۔ اس سوال سے متعلق آراء کو تعلیمی اور عوامی دونوں انداز میں عقلمندی سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ مستشرق روایت کے علماء کا مؤقف ہے کہ بہت سے تصورات مغربی جمہوریت کے ساتھ منسلک ہیں، جیسے مقبول خود مختاری کا تصور، نمائندگی، انتخابات، سیکولر قوانین، آزاد عدلیہ، اور خود مختار گروپوں کی ایک بھیڑ پر مشتمل شہری معاشرے، مسلم سیاسی روایت کے نامانوس ہیں⁽⁵⁹⁾۔

دوسری جانب، بہت سے مسلمان (اور بعض مغربی) نظریہ کار دلیل دیتے ہیں کہ اسلامی تصورات جیسا کہ "لوگوں کی امانت کے ساتھ حکومت" (امانات الحکم)، محدود اور سویلین حکومت، مشاورت (شوری)، آزادانہ استدلال (جتہاد)، اتفاق رائے (جماع)، اور قرآنی حکم کہ "دین کے معاملات میں کوئی جبر نہیں ہوگا" اصول ہیں جو ایک آئینی جمہوریت کی حمایت کرتے ہیں⁽⁶⁰⁾۔ اسٹین، اس طرح مسلم اکثریت والے ممالک جیسے ترکی، بنگلا دیش، انڈونیشیا، سینیگال اور مالی کی مثالوں کا حوالہ دیتا ہے انہوں نے کچھ وقت سے ایک آئینی جمہوریت کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ وہ دلیل دیتا ہے کہ استثناء ایک "مسلم" رجحان کے مقابلے میں ایک "عرب" رجحان زیادہ ہے۔ تاہم، وہ خبردار کرتا ہے کہ "جب تک ایک پرکشش کیس نہیں بنایا جا سکتا وہاں عرب سیاسی ثقافت کے بارے میں کچھ ایسا ہے جو منفرد ہے جو دنیا میں کسی بھی دوسری بڑی سیاسی ثقافت کے مقابلے میں انتخابی مسابقت کے لئے اسے مستقل طور پر زیادہ مخالفانہ بنا دیتا ہے، اس بات کا امکان لگتا ہے کہ نظریہ کار اور پالیسی سازوں دونوں سیاسی تلاش کے لئے بہتری لائیں گے - جیسے نسلی یا مذہبی مخالفت - مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ان علاقوں میں سیاسی زندگی کی کٹھورپن غیر جمہوری خصوصیات کی معلومات کے لئے مختص ہیں⁽⁶¹⁾۔

تیونس میں کامیاب جمہوری تبدیلی سے پتہ چلتا ہے کہ عرب استثناء مطلق العمل نہیں ہے۔

ایک تیسرا نقطہ نظر، ناتھن براؤن کی طرف سے پختہ طور پر حمایت کردہ، دلیل دیتا ہے کہ اداراتی توازن پر مبنی ایک محدود اور جوابدہ حکومت کے معنوں میں ایک اسلامی آئین ممکن ہے، لیکن یہ لبرل اور جمہوری عناصر کی کمی ہو سکتی ہے۔ اس طرح، وہ بیان کرتے ہیں کہ "ہمیں ممکن کے لئے بہت کھلے ذہن کا ہونا چاہئے تاکہ اسلامی آئین پسندی بعض اوقات تصور اور عملی طور پر آزاد خیالی سے دور ہو جائے گی - اور تب بھی آئین پسندی رہے گی... آئین پسندی کے ذریعے زیادہ قوم پرست یا اشتراکی سماجی رُکن فلیور کے ساتھ لوگوں سمیت سیاسی سمت بندیوں کی مختلف قسم کی بنیاد پر ہو سکتی ہے⁽⁶²⁾ - چاہے آئین پسندی کی ایک یکتا صورت لفظ کے قائم معنوں میں حقیقی معنوں میں آئین پسندی سمجھنے کا حق رکھتی ہے جو وضاحت کا معاملہ ہے۔ لیکن اس بحث کے ایک بہت طویل وقت تک چلتے رہنے کا امکان ہے۔

نوٹس

- (1) ٹلمین جے روڈر، گروٹ اور روڈر میں "مسلم ممالک میں اختیارات کی علیحدگی،" اسلامی ممالک میں آئین میں، صفحہ 321۔
- (2) ناتھن جے براؤن، ایک غیر آئینی دنیا میں آئین: عرب بنیادی قوانین اور جوابدہ حکومت کے امکانات (البانی: نیویارک پریس کی اسٹیٹ یونیورسٹی 2002)، صفحہ XIII۔
- (3) ایضاً، صفحہ 94-91، 32-31، 13-10، XIV۔
- (4) ایضاً، صفحہ 9، 199-197۔
- (5) کیس آر سنسٹین، "آئین اور جمہوریت: ایک ختم مقال،" جان ایلسٹر اور رونی سلجسٹڈ ایڈز میں، ایک اختتامیہ، آئین اور جمہوریت (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، 1988)، صفحہ 327۔
- (6) اسٹیفن ہومز، ایضاً میں "جمہوریت کے ماقبل وابستگی اور متناقضہ،" صفحہ 197۔
- (7) براؤن، ایک غیر آئینی دنیا میں آئین، صفحہ 17؛ لیون کارل براؤن، احمد بے کا تیونس، 1855-1837 (پرنسٹن، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، 1974)۔
- (8) براؤن، ایک غیر آئینی دنیا میں آئین پسندی، صفحہ 18۔
- (9) ارگن اوزبدن اور عمر فاروق جینکیا، ترکی میں جمہوریت اور آئین سازی کی سیاست (بڈاپسٹ اور نیویارک: وسطی یورپی یونیورسٹی پریس، 2009)، صفحہ 9-8؛ رابرٹ ڈیو ریکس، پہلا عثمانی آئینی دور: مذہب آئین اور پارلیمنٹ کا مطالعہ (بالٹیمور: جان ہاپکنز یونیورسٹی پریس، 1963)۔
- (10) براؤن، ایک غیر آئینی دنیا میں آئین، صفحہ 29-26۔
- (11) ایضاً، صفحہ 32۔
- (12) ایضاً، صفحہ 33-32۔
- (13) اوزبڈن اور گینکیا، آئین سازی کی جمہوریت اور سیاست، صفحہ 13-10۔
- (14) ایضاً، صفحہ 21-14۔
- (15) براؤن، ایک غیر آئینی دنیا میں آئین پسندی، صفحہ 78-76۔
- (16) ایضاً، صفحہ 41-36۔
- (17) ایضاً، صفحہ 85-78؛ عادل عمر شریف، "مصر میں آئین اور شریعت کے درمیان تعلقات،" گروٹ اور روڈر میں، اسلامی ممالک میں آئین پسندی، صفحہ 133-121۔ نیٹلی برنارڈ-ماوگرون، "مضبوط صدارتیت: ایضاً، میں مبارک کے مصر کے ماڈل،" صفحہ 38-373۔

- (18) احمد کورو، مذہب کی جانب سیکولرازم اور ریاست کی سیاست: ریاست ہائے متحدہ، فرانس اور ترکی (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، 2009) صفحہ 259-260۔
- (19) ایضاً، صفحہ 11۔
- (20) گروٹ اور روڈر میں، محمد ہاشم کمالی، "اسلامی ممالک میں آئین پسندی: اسلامی قانون کا ایک معاصر نقطہ نظر"، "اسلامی ممالک میں آئین پسندی"، صفحہ 21۔
- (21) خالد ابو الفضل، ایضاً، میں "اسلام میں حکومت اور آئین پسندی کے لیے شریعت کی مرکزیت"، صفحہ 56۔
- (22) شریف، "مصر میں آئین اور شریعت کے درمیان تعلقات"، صفحہ 123۔
- (23) گروٹ اور روڈر، "اسلامی ممالک میں آئین پسندی: تعارف"، صفحہ 14۔
- (24) ایضاً، صفحہ 10۔
- (25) رگن اوزبیل "اسلامی ممالک میں سیکولرازم: ترکی ایک ماڈل کے طور پر"، ایضاً صفحہ 137۔
- (26) پیپا نورس اور رونالڈ انگو ہارٹ، مقدس اور سیکولر: عالمیگر مذہب اور سیاست (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، 2004)، صفحہ 24-25۔
- (27) فضل، "حکومت اور آئین پسندی کے لیے شریعت کی مرکزیت"، صفحہ 57۔
- (28) سید عامر ارجمند، ارجمند، ایڈ۔ میں "انیسویں صدی سے اسلام اور آئین پسندی: ارجمند میں ایران کی اہمیت اور خصوصیت، ایڈیشن "مشرق وسطیٰ میں آئینی سیاست: ترکی، عراق، ایران اور افغانستان کے لئے خصوصی حوالہ کے ساتھ (آکسفورڈ اور پورٹلینڈ وریگن: ہارٹ پبلشنگ، 2008)، صفحہ 62-33۔ اس کے علاوہ، ارجمند "فقہاء کا عالم: ایران میں آئین اور قانونی احکامات"، گروٹ اور روڈر ایڈیشنز، اسلامی ممالک میں آئین پسندی، صفحہ 147-169۔ فارود شیروانی، ایضاً میں میں "آئین پسندی کے کنٹرول کے لئے ایک مختلف نقطہ نظر: ایران کی گارڈین کونسل"، صفحہ 279-289۔
- (29) براؤن، ایک غیر آئینی دنیا میں آئین، صفحہ 148-159۔ رائنر گروٹ، گروٹ اور روڈر، ایڈیشنز میں، "ادارہ کنٹرول کے نمونے: اسلامی ممالک کے تجربے"، "اسلامی ممالک میں آئین پسندی"، صفحہ 221-238۔
- (30) شریف، "مصر میں آئین اور شریعت کے درمیان تعلقات"، صفحہ 128-132۔ براؤن، ایک غیر آئینی دنیا میں آئین، صفحہ 180-184۔

- (31) یہاں، میں نے اوزبڈن سے لیا، "اسلامی ممالک میں سیکولرازم: ترکی ایک ماڈل کے طور۔"
- (32) ایضاً، صفحہ 139-144؛ اس کے علاوہ، عثمان کر سکتے ہیں، گروٹ اور روڈر میں "عزت وجود کے ایک محافظ کے طور پر ترکی کی آئینی عدالت؟"، اسلامی ممالک میں آئین پسندی، صفحہ 259-278۔ ہوٹان شمبیاتی، ارجمند ایڈ میں "حکومت کے سرپرست: تقابلی نقطہ نظر میں ترکی کی آئینی عدالت ایڈیشنز،" مشرق وسطیٰ میں آئینی سیاست، صفحہ 99-121۔
- (33) الفریڈ سٹیپن، "تیونس میں تغیر اور یکسر رواداری،" جمہوریت کا شمارہ، 23، نمبر 2 (اپریل 2012)، صفحہ 99-100۔
- (34) شریف، "مصر میں آئین اور شریعت کے درمیان تعلقات،" صفحہ 125-127۔
- (35) اینڈریا بونائم-بلانک، اسپین کی جمہوریت میں منتقلی: آئین سازی کی سیاست (بولڈر اور لندن: ویسٹ ویو پریس، 1987)، صفحہ 13۔
- (36) یوسی شانن اور جوآن جے لنز، ریاستوں کے درمیان: عبوری حکومتیں اور جمہوری تبدیلیاں (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، 1995)، صفحہ 4-5، 7۔
- (37) سٹیپن، "تیونس میں تغیر اور یکسر رواداری،" صفحہ 92۔
- (38) ایضاً، صفحہ 92-93۔
- (39) ایضاً صفحہ 91؛ ارگن اوزبدن، اوزبدن کے شمارے میں "تعارف: منتقلی اصول اور عرب بہار،" عرب بہار ممالک میں حکومتی تبدیلیاں اور عبوریت (استنبول: کری یونلر، 2014)، صفحہ 19۔
- (40) ایضاً، صفحہ 19-20۔ محمود حماد، اوزبڈن ایڈ میں، "دوسرا جمہوریہ سے راکی روڈ: مصری آئین کی پیدائش اور لڑائیاں،" عرب بہار ممالک میں حکومتی تبدیلیاں اور عبوریت صفحہ 91-98؛ حینیفی گیلے، "مصر میں حالیہ آئینی ترقی (جنوری تا مارچ 2012)، وینس کمیشن، CDL (2012) 027، سٹراسبرگ، 11 اپریل 2012۔
- (41) سٹیپن، "تیونس میں تغیر اور یکسر رواداری،" صفحہ 92۔
- (42) الفریڈ سٹیپن اور جوآن جے لنز، "جمہوریت کا نظریہ اور 'عرب بہار'،" جمہوریت کا شمارہ، 24، نمبر 2 (اپریل 2013)، صفحہ 21۔

- (43) حماد، "دوسرا جمہوریہ راکی روڈ"، صفحہ 99-101.
- (44) ایضاً، صفحہ 102-108.
- (45) زید بن علی اور ناتھن جے براؤن، "مصر کے آئین کارروائی میں جھول، "مشرق وسطیٰ چینل، مارچ 27، 2013
mideast.foreignpolicy.com/posts/2013/03/27/egypt_s_constitution_swings_into_action
- (46) زید ال علی، مصر کے نئے آئین کا اعلامیہ"
http://mideast.foreignpolicy.com/posts/2013/07/09/another_egyptian_constitutional_declaration
- (47) ایضاً.
- (48) زید ال علی، "مصر کا تین سال میں تیسرا آئین: ایک اہم تجزیہ،
http://www.idea.int/wana/egypts_third_constitution_in_three_years_a_critical_analysis.cfm
- (49) سٹیپن، "تیونس میں تغیر اور یکسر رواداری"، صفحہ 95-97.
- (50) سٹیپن اور لنز، "جمہوریت تھیوری اور 'عرب بہار'،" صفحہ 23-23. مصنفین کے "سیاسی معاشرے،" کے تصور کے لئے جوآن جے لنز اور الفریڈ اسٹیپن دیکھیں، جمہوری تبدیلی اور استحکام کے مسائل: جنوبی یورپ، جنوبی امریکہ اور پوسٹ کمیونسٹ یورپ (بالٹیمور اور لندن: جان ہاپکنز یونیورسٹی پریس، 1996)، صفحہ 8-10.
- (51) سٹیپن، "تیونس میں تغیر اور یکسر رواداری"، صفحہ 96-97.
- (52) کلیمنٹ مور ہینری، اوزبڈن میں عرب دنیا میں "جمہوریت کے سماجی، ثقافتی اور اقتصادی حالات،" عرب بہار ممالک میں حکومتی تبدیلیاں اور عبوریت، صفحہ 64-65، مزید، ماونا کریم دردی، ایضاً میں "تیونس میں لی کائر جیویڈیک ڈی لا منتقلی،" صفحہ 115-130.

(53) زید ال علی اور دونیا بن رومدھیں، "تیونس کے نئے آئین: پیش رفت اور آنے والے چیلنجز، " کھلی جمہوریت، 16 فروری 2014، "Open Democracy, 16 February 2014, <http://www.opendemocracy.net>. یہ قابل غور ہے کہ تیونس کی آئین اسمبلی یورپی کونسل کی وینس کمیشن کے ساتھ قریبی تعاون یافتہ ہے (قانون کے ذریعے جمہوریت کے لئے کمیشن). کمیشن کے ارکان اور آئین ساز اسمبلی کی آئینی کمیٹی کے ان لوگوں کے درمیان کئی مشترکہ اجلاس ہوئے۔ مثال کے طور پر، ملاحظہ کریں، وینس کمیشن، "تیونس جمہوریہ کے حتمی مسودہ آئین پر مشاہدے،" سٹراسبرگ، 17 جولائی 2013، CDL (2013)034؛ "تیونس جمہوریہ کے حتمی مسودہ آئین پر رائے،" سٹراسبرگ، 17 اکتوبر 2013، CDL_AD (2013)032۔

(54) ال علی اور روم دھین، "تیونس کا نیا آئین۔"

(55) ایضاً

(56) اوزبٹن اور گینکیا، جمہوری عمل اور آئین سازی کی سیاست، ابواب۔ 2، 3، اور 6؛ اوزبٹن، "جمہوریت، سرپرستی، اور ایک نئے آئین کی تلاش،" کارمین روڈریگیوز، اینٹونیا ایوالوس، ہاکان ہلماز، اور انا آئی پلانٹ (ایڈز) میں، ترکی کا جمہوری عمل (لندن اور نیو یارک، روٹ لیج، 2013)، صفحہ 293-311

(57) ارگن اوزبدن، ترکی میں جماعت کی سیاست اور سماجی خلا (بولڈر اور لندن، لائین ری اینر، 2013)، باب 2 اور 3۔

(58) ولیم ہیل اور Ergun Özbudun، ترکی میں اسلامیت، جمہوریت اور لیبرل ازم: AKP کا کیس (لندن: روٹ لیج، 2010)

(59) مثال کے طور پر، دیکھیں، ایلے کیڈوری، جمہوریت اور عرب سیاسی ثقافت (واشنگٹن ڈی سی: مشرق وسطیٰ پالیسی کے لئے واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ، 1992)، صفحہ 5-6

(60) گریم بی رابرٹسن کے ساتھ الفریڈ سٹیپین، "ایک 'عرب' زیادہ بہ نسبت 'مسلمان' انتخابی خلا،" جمہوریت کا شمارہ، 14، نمبر 3 (جولائی 2003)، صفحہ 40؛ کمالی، "اسلامی ممالک میں آئین پسندی،" صفحہ 19-33۔ فضل، "اسلام میں حکومت اور آئین پسندی کے لیے شریعت کی مرکزیت،" صفحہ 35-61

(61) سٹیپین، "ایک 'عرب' زیادہ بہ نسبت 'مسلمان' انتخابی خلا،" صفحہ 40-41۔ اسی خطوط پر، ولی نصر، "مسلم جمہوریت کا عروج،" جمہوریت کا شمارہ، 16، نمبر 2 (اپریل 2005)، صفحہ 13-27۔

(62) براؤن، غیر آئینی دنیا میں آئین۔ صفحہ 108، 180 اور باب 6 پیس۔